اردو ریسرچ جرنل "تشکیل" جلد:2، شمارہ:2 (جولائی تا دسمبر 2024ء)

ISSN (Online): 3007-3294, ISSN (Print): 3007-3286, HEC Recognized Y-Category Journal

اعجاز رازق اعوان

پی ایچ ڈی اُردو اسکالر، نیشنل یونیورسٹی آف ماڈرن لینگویجز، اسلام آباد

ڈاکٹر صائمہ نذیر

اسسٹنٹ پروفیسر، نیشنل یونیورسٹی آف ماڈرن لینگویجز، اسلام آباد

مشرق و مغرب میں مخطوطہ شناسی کی روایت اور معاصر رجحانات

Ejaz Raziq Awan

Ph.D Urdu Scholar, National University of Modern Languages, Islamabad

Dr. Saima Nazir

Assistant Professor, National University of Modern Languages, Islamabad

Tradition of Manuscript Studies in East and West and Contemporary Trends

ABSTRACT

In this research article, the tradition of identifying the Manuscript and its importance is discussed critically, and in future prospective. A manuscript or Makhtoota's role is very significant in Literary research. Makhtoota is usually a piece of paper, but this paper depicts untold stories of ancient literature. The western tradition started with the compilation of Holy Bible, in Greek and Latin languages and then to other western languages. There are some famous names including, Dr. Moheen Uddin Qadri Zaoor, Moulvi Abdul Haq, Hafiz Mahmood Sherani, Mushfiq Khawaja, Moulana Imtiaz Ali Arshi, Kalique Anjum, Rasheed Hassan Khan and Dr. Jamil Jalbi.This important academic activity of Manuscript identifying, is as much as relevant to the research scholars as it was relevant in the past.

Keywords: *Identifying Manuscripts, tradition, Makhtoota Shanasi, compilation, tadveen, text, qalmi nuskha, printing, composing, Qadri zaoor, abdul*

مخطوطہ عربی زبان کا لفظ ہے جس کا ماخذ "خ، ط" ہے۔ قومی اُردو لغت کے مطابق اس سے مراد قلمی تحریر، قلمی نسخہ، غیر مطبوعہ کتاب یا رسالہ ہے۔[1] کسی بھی انسان کا اپنے ہاتھ سے ذاتی یا کسی دوسرے شخص کے خیال کو تحریر میں لانا مخطوطہ ہے۔ یہ تحریر کسی مواد کی نقل بھی ہو سکتی ہے اور طبع زاد بھی، مختصر بھی ہو سکتی ہے اور طویل بھی۔

مخطوطے کا مطلب کسی مادی شے مثلاً کپڑے، کاغذ، چمڑے، درخت کی چھال یا کسی پتھر، سِل یا چٹان پر کسی بھی زبان میں کسی با معنی مفہوم یعنی متن کو تحریر کرنا ہے۔ انگریزی زبان میں اِس کے لیے Manuscript کا لفظ

مستعمل ہے۔ ہر مخطوطہ اپنے دور کی علمی و ادبی روایت کا امین ہونے کے ساتھ ساتھ اپنے عہد کی تہذیبی و ثقافتی اقدار کا آئینہ دار بھی ہوتا ہے۔ مخصوص زمانے سے نسبت اور تعلق طے پا جانے کے سبب اس کی تاریخی اہمیت بھی دوچند ہو جاتی ہے۔ فنِ تحقیق کی اہم ترین سرگرمی کسی مخطوطے کی تصحیح و ترتیب ہے جو بلاشبہ ایک کٹھن اور دشوار کارگزاری ہونے کے ساتھ ساتھ ذمہ داری کی بھی متقاضی ہے۔ اسی باعث محدودے چند محققین ہی اس جانب متوجہ ہوتے ہیں۔ ڈاکٹر عبدالحمید خاں عباسی مخطوطے کے بارے میں یوں رقم طراز ہیں:

> "ایسی دستاویز جو خطی ہو یا ٹائپ کی ہو، (اس میں کاربن کاپیاں بھی شامل کی جاتی ہیں) اس میں خطوط، تاریں، روزنامچے، رسیدیں، ذاتی حالات، فہرستیں، اجلاس کی روداپں، معاہدے، ٹیکس کے ریکارڈ، قانونی سرٹیفکیٹ (پیدائش، شادی، انتقال، وغیرہ) ادبی کتب، تقاریر اور دوسری دستاویزات کے اصل مسودات، جو شخصیات یا افراد سے متعلق ہوں، شامل ہوتے ہیں۔"(2)

مخطوطے کی تعریف کے ضمن میں ایک مکتبہ فکر ایسا بھی ہے جو منفرد نقطہ نظر کا حامل ہے۔ اس طبقے کے مطابق ہر قلمی تحریر مخطوطے کی ذیل میں نہیں آتی بلکہ اس کے لیے بنیادی شرط عدم طباعت ہے۔ گویا ایسی تحریریں جو چھاپہ خانے کی ایجاد سے پہلے لکھی گئیں تھیں، صرف انہی پر مخطوطات کا اطلاق ہوتا ہے۔ شفیق انجم کا خیال کچھ یوں ہے:

> "مخطوطات سے مراد مشینی چھپائی سے قبل کی تحریریں ہیں۔ عام طور پر قلمی تحریروں کو مخطوطہ کہنے کا رواج ہے لیکن یہ درست نہیں۔ ہر قلمی تحریر مخطوطہ نہیں۔ مخطوطات کا اطلاق قبل از طباعت کی تحریروں پر ہوتا ہے۔ مخطوطات کے لیے روشنائی سے کاغذ پر لکھنا بھی شرط نہیں ہے۔ یہ کسی دھات، کپڑے، پتھر، چمڑے اور اسی نوعیت کی دیگر اشیاء پر کھدے ہوئے ہوں، ابھارے ہوئے یا چسپاں بھی ہو سکتے ہیں۔ پس قلمی کا مفہوم یہاں قلم کی مناسبت سے نہیں بلکہ دورِ طباعت سے قبل کے ان وسیلوں کی مناسبت سے ہے، جو متن کو تحریری شکل میں لانے کے لیے استعمال کیے جاتے تھے۔"(3)

دنیا کی ہر زبان میں ان گنت لوک گیت اور لوک قصے سینہ بہ سینہ منتقل ہوتے ہیں۔ اگرچہ ادبی حوالے سے ان کی ایک خاص اہمیت ہوتی ہے، تاہم اسے متن نہیں کہا جاسکتا۔ متن کا اطلاق اس تحریری شکل پر ہو گا جو منظوم یا غیر منظوم، جدید یا قدیم، کسی کاغذ یا مادی شکل یعنی مخطوطی ہئیت کا حامل ہو۔

مخطوطہ شناسی کا موضوع بنیادی طور پر متنی تحقیق و تدوین کی ذیل میں آتا ہے۔ اس تناظر میں تحقیق و تنقید کی روایت سے آگاہی مخطوطہ شناسی کے اَسرار سے واقفیت کے لیے بنیادی اہمیت کی حامل ہے۔ متنی تحقیق کو چند دیگر ناموں سے بھی یاد کیا جاتا ہے، جن میں تدوینِ متن، تاریخی تدوین و تحقیق اور ادبی دستاویزات کی تحقیق شامل ہیں۔ اس حوالے سے ڈاکٹر عطش درانی رقم طراز ہیں:

> "یہ سارے کام بہت محنت طلب اور صبر آزما ہوتے ہیں۔ ان امور کی تفصیلات کو متنی تنقید کا نام دیا جاتا ہے۔ خاص طور پر ہاتھ کی تحریروں، مخطوطات، مسودوں وغیرہ کو پڑھنے کے لیے خصوصی تجربہ اور تربیت درکار ہوتی ہے۔ جس میں کاغذ سازی کے علم اور آگاہی سے لے کر رسم الخط اور دستاویزی تحریروں کے علم تک بہت کچھ شامل ہے۔"[4]

ڈاکٹر گیان چند جین اپنی شہرہ آفاق کتاب "تحقیق کا فن" میں کاترے کا حوالہ دیتے ہیں اور اس بابت یوں لکھتے ہیں کہ "متنی تنقید کا کام، مخطوطات کی داخلی شہادت پر مصنف کے متن تک پہنچنے کی کوشش ہے۔"[5]

مخطوطات کی ابتداء کب ہوئی؟ یہ ایک اہم سوال ہے۔ مخطوطہ شناسی کا علم یقیناً اس بات کا تقاضا کرتا ہے کہ اس کا احوال بھی پیشِ نظر رہے۔ مخطوطات کی تاریخ اس قدر قدیم ہے کہ اس بارے میں فی زمانہ وثوق سے کوئی بات کہنا قرین از قیاس ہی ہو گا۔ تاہم اگر اس امر کا اجمالی مطالعہ کیا جائے تو پتہ چلتا ہے کہ انسان نے پہلے تکلم کا وصف حاصل کیا اور اپنے الفاظ کو اپنے مافی الضمیر کے اظہار کا ذریعہ بنایا۔ یقینی طور پر تکلم کا یہ علم انسان اور حیوان میں فرق کو واضح کرنے میں اساسی نوعیت کا حامل ہے۔ پتھر کی سلوں، چٹانوں اور جانوروں کی کھال کو خشک کرنے کے بعد محفوظ کیا گیا اور انہیں مخطوطے کی تیاری کے لیے استعمال میں لایا گیا۔ اس کے علاوہ مختلف درختوں کی چھال مثلاً کیلے کے درخت کا چھلکا، شہتوت اور بھوج کے درخت کی چھال کا استعمال قابلِ ذکر ہے۔ گویا ایک مخطوطے کی تیاری ہی کسی ایک فرد کے بجائے ایک اجتماعی دانش کا نتیجہ ہوتی تھی اور ہر مخطوطہ اس انداز سے تیار کیا جاتا تھا کہ یہ دوسرے سے منفرد مقام و اہمیت کا حامل ہو۔ اسی بنیاد پر مائیکل جونسٹن اور مائیکل وین دیوسن اپنی مرتبہ کتاب میں یوں رقم طراز ہیں:

> "Each manuscript is the unique product of human hands; it represents the work of scribes, correctors, binders, illuminators, and, in some contexts, commercial booksellers. Each manuscript is designed to be unique."[6]

چین میں جب کاغذ کی ایجاد ہوئی تو اس سے مخطوطہ نویسی کے میدان میں گویا انقلاب برپا ہو گیا۔ جان گوٹن برگ نے جب چھاپہ خانے کی ایجاد کا سہرا اپنے سر سجایا تو وہ بجا طور پر فنِ تحریر میں بہت بڑی تبدیلی کا پیش خیمہ ثابت

ہوا۔ جرمنی میں 1439ء میں چھاپہ خانے کی ایجاد نے جہاں یورپی نشاۃ الثانیہ میں کلیدی کردار ادا کیا وہیں مخطوطہ شناسی کی روایت کو بھی دوررس اثرات سے متاثر کیا۔ ازمنہ وسطیٰ میں لکھے گئے مخطوطات کو مغرب میں آج بھی گراں قدر سرمائے کے طور پر تسلیم کیا جاتا ہے۔ ان مخطوطات کو مغرب کے اہلِ علم طبقات میں بے پناہ اہمیت حاصل ہے۔ ریمنڈ کلمز اور ٹموتھے گراہم اپنی مشترکہ تصنیف میں لکھتے ہیں:

> "Manuscripts produced during the middle Ages have survived in astonishing numbers; they are our primary source for knowledge of medieval history and culture. Even so, what is preserved in archives today represents only a small fraction of what must have existed five hundred years ago." (7)

مغرب میں مخطوطہ شناسی کی روایت پر نگاہ ڈالی جائے تو یہ حقیقت واضح ہوتی ہے کہ بنیادی طور پر یہ روایت مذہبی جوش و جذبے کے ساتھ، عہد نامہ عتیق / قدیم (OLD TESTAMENT) اور عہد نامہ جدید (NEW TESTAMENT) کی تدوین کے حوالے سے نظر آتی ہے۔(8) بعد ازاں اس میں قدیم یونانی مخطوطات پر تحقیق و تدوین کے کام کا آغاز ہوا۔ اسی سلسلے کو مغربی مخطوطہ شناسوں نے لاطینی زبان کے مخطوطات کی جانب گامزن کیا۔ انگریزی زبان کے مخطوطات کی روایت کے حوالے سے جس شخصیت کو اولیت حاصل ہے اس میں سر ولیم شیکسپیئر کا نام آتا ہے، جو ڈرامہ نگاری کے شعبے میں ایک ادارے کی سی حیثیت رکھتے ہیں۔

مخطوطہ شناسی کی روایت کے ضمن میں جو مباحث موجود ہیں، ان کے مطابق اس کام کا آغاز حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ولادت کے کم و بیش دو صدیوں بعد ہوا۔ مسیحی تعلیمات کی تبلیغ کی غرض سے مبلغین نے یونان میں اپنے کام کا آغاز کیا تو فلاطینوس اور ارسطو کے علمی کارناموں سے مزین یہ سرزمین بجا طور پر عظیم علمی مرکز تھی۔ کتابِ مقدس انجیل کو یونان کے اہلِ علم طبقے تک قابلِ فہم بنانے کے لیے، مقامی زبان میں منتقل کیا گیا۔ اسی پس منظر میں سلطنتِ روما میں بھی بائبل کو لاطینی زبان میں ترجمہ کیا گیا۔ ایراسموس نامی محقق کا نام اس اعتبار سے اہمیت کا حامل ہے کہ اس نے سولہویں صدی عیسوی کی دوسری دہائی میں اپنے دور میں دستیاب مخطوطات کو مرتب کرنے کا بیڑا اٹھایا۔ اس کام کو ایراسموس کے بعد آلڈس نے آگے بڑھانے میں اپنا کلیدی کردار ادا کیا۔ آلڈس کے کام کی تخصیص یہ ہے کہ ایراسموس کے جن مخطوطات پر اس نے اپنے کام کو آگے بڑھایا تھا انہی مخطوطات کو انگریزی زبان کے قالب میں ڈھالنے کی سعادت 1526ء میں تائن ڈیل کو حاصل ہوئی۔ اس روایت کو کولنز، کوورڈیل اور روجر نے نا صرف قبول کیا

بلکہ اس کی اصلاح کا بیڑا بھی اٹھایا۔ ایراسموس اور سٹونیکا کے یونانی متون پر ہونے والے کام کو مزید آگے بڑھانے میں ایشینے کا نام قابل ِ ذکر ہے۔ اس نے 1546ء میں جس روایت کی داغ بیل ڈالی، اس کی اتباع وٹن گھم اور بیزا نے کی۔ سولہویں صدی عیسوی کی آخری دہائی میں کلیمنٹ نے ایشنے کے مسودات کی تدوین کی۔ سمتھ اور ایلزیور نے بیزا کے کام کی والٹن کے ایجاد کردہ آلات کی مدد سے تحقیق کی اور اس اہم سرگرمی کو مزید وسعت دی۔ اس روایت کو، جس میں مشین کا استعمال بنیادی اہمیت کا حامل تھا، کورسیلز اور فیل نے آگے منتقل کرنے میں اپنا حصہ ڈالا۔

مخطوطہ شناسی جیسی اہم علمی سرگرمی کے اصول وضوابط کو کتابی شکل دینے اور اسے منظرِعام پر لانے کا سہرا 1689ء میں سائمن کے سر پر سجا۔ اٹھارہویں صدی عیسوی کی پہلی دہائی میں لانگ کو یہ اعزاز حاصل ہوا کہ انہوں نے شب وروز کی عرق ریزی کے بعد BIBLOGHAPHY OF CRITICAL LITERATURA کے نام سے مسودات کی وضاحتی کتابیات کو شائع کیا جس کا ویلز اور بینگل نے تنقیدی تجزیہ کیا۔ ویٹ سٹین، میکالیس، برک، سمیلر اور ہروڈ نے اٹھارہویں صدی کی بالترتیب تیسری اور چھٹی دہائی میں اپنی کاوشیں پیش کیں۔ 1767ء میں ہروڈ اور سمیلر نے اس حوالے سے دو قابلِ قدر کتب شائع کیں۔ اس سلسلے میں 1808ء میں ہگ کی کتاب Introduction کو اس اعتبار سے خاص مقام حاصل ہے کہ اس نے رجحان ساز کردار ادا کیا۔ کلاسیکل علمِ زبان کے بانی جرمن اسکالر فریڈرک ولف نے اٹھارہویں صدی میں جدید متنی تحقیق کی بنیاد ڈالی۔ عمانویل بیکر اور کارل لخمان بھی ان کے ہم عصر تھے۔ بیکر نے اپنی زندگی میں 400 مخطوطات اور یونانی مصنفین کی 60 کتب کو مرتب کیا۔ لخمان نے تقابلی مطالعے کی بنیاد رکھتے ہوئے مخطوطہ شناسی کے اُصول وضع کیے۔ فان ٹشن ڈررف نے یونانی مخطوطات کی تدوین کے جو اصول مرتب کیے، ان میں پہلا اصول یہ طے پایا کہ دستیاب متن کا حصول قدیم ترین شہادت سے میسر ہو، جب کہ کسی متن کا نسخۂ وحید بہرحال مشکوک قرار پائے گا۔ تیسرے درجے میں یہ اصول ترتیب پایا کہ مخطوطے میں موجود اغلاط کی بہرطور نشاندہی کی جائے۔ مخطوطات کی کتابت کے حوالے سے متعارف ہونے والے رجحانات کو پیشِ نظر رکھنا، اس کا چوتھا قانون قرار پایا۔ مخطوطے کی قرأت کے بارے میں معیار وہی قرار پائے گا جو مشترکہ طور پر تسلیم شدہ ہو۔ جب کہ صاحبِ مخطوطہ کے اسلوب سے ہم آہنگ قرأت قابلِ اعتماد ہو سکتی ہے۔[9]

عہدِ جدید تک پہنچتے پہنچتے جن مغربی ماہرین نے اس روایت کو آگے بڑھانے میں اپنا بنیادی کردار ادا کیا، ان میں سکری ویز، اورمے، ویسٹ کاٹ، رابرٹ سن، سوتر، ٹیلر، میٹز گر، گرین لی، مولٹن، پیرسن، فنیگان، ورتھ وین، اہرمان، اور ہولمز نمایاں ناموں میں شمار ہوتے ہیں۔

قدیم مشرقی زبانوں کا کلاسیکی ادب زیادہ تر مخطوطات کی شکل میں ملتا ہے۔[10] مخطوطہ شناسی کی شرقی اور غربی روایت کو سمجھنے کے ضمن میں محققین کے ہاں جو مباحث ملتے ہیں ان میں چار ادوار یا تدوینی زمروں کو بنیادی

اہمیت حاصل ہے۔ ان میں قدیم یونانی اور لاطینی متون کی بازیافت کو، تاریخی تناظر میں پہلا درجہ حاصل ہے۔ ہندو مت کے قدیم مذہبی متون مثلاً وید، پران، رامائن، اور مہابھارت کی تدوین کو اگلے درجے میں رکھا گیا ہے۔ مخطوطہ شناسی کا تیسرا زمرہ یا دور انگریزی ادب سے تعلق رکھتا ہے۔ قدیم عظیم انگریزی شاعر چاسر کے برخلاف سر ولیم شیکسپیر کے ڈراموں کے متن کی تدوین کو اہم کارنامہ تصور کیا جاتا ہے۔ مشرقی زبانوں میں عربی، فارسی، اردو اور دیگر پاکستانی زبانوں میں حیرت انگیز طور پر مخطوطہ شناسی کی اس علمی روایت کو غیر مستحکم قرار دیا جاتا ہے۔ دنیا کی اہم ترین اور قدیم زبانوں میں شمار ہونے والی عربی زبان میں قرآنِ مجید اور احادیثِ مبارکہ کے متون کی تدوین کے لیے جو اہتمام و التزام کیا گیا وہ اپنی مثال آپ ہے۔ مصر کے ایک ممتاز اسکالر ڈاکٹر صالح الدین منجد نے عربی مخطوطات کے مختلف مراتب پر بہترین کام کیا ہے۔ ان کے بیان کردہ ضوابط کو مشرق کی دیگر زبانوں بشمول اردو کے مخطوطات پر بھی منطبق کیا جاسکتا ہے۔[11] مخطوطہ شناسی کی روایت کے متعلق ڈاکٹر گیان چند اور ڈاکٹر عطش درانی کا نقطۂ نظر یہ ہے کہ عربی سمیت فارسی اور اردو میں بھی یہ روایت اس قدر توانا نہیں ہے۔[12]

اس خیال سے جزوی طور پر تو اتفاق کیا جاسکتا ہے مگر کلی طور پر متفق ہونا اطمینان بخش عمل نہیں۔ اردو کے برخلاف فارسی زبان اپنی تاریخی اہمیت اور شاندار علمی سرمائے کے باعث، اس درجہ غیر معتبر اور سطحی نوعیت کی قطعاً نہیں کہ اس کے ہاں تدوینِ متن کی روایت کو غیر مستحکم قرار دیا جائے۔ دیوانِ حافظ اور مثنویِ معنوی جیسے دیگر ادبِ عالیہ کے شاہ کار رکھنے والی زبان پر اس پہلو سے گہری اور عمیق نظر سے تحقیق و تفتیش کی اشد ضرورت ہے جب کہ عربی زبان کے محققین کے لیے بھی تحقیق کی گنجائش باقی ہے۔ مشرقی زبانوں میں محفوظ مخطوطات کی بازیافت پر اب تک جو کام ہو چکا ہے، اُس کو غیر معتبر تصور کرنا بذاتِ خود تشکیک کی جانب متوجہ کرتا ہے۔

چینی زبان اپنی تہذیب کی مانند دنیا کی قدیم ترین زبان کے طور پر تسلیم کی جاتی ہے۔ایک معروف اندازے کے مطابق چینی تہذیب کی قدامت کم و بیش سات ہزار سال کے لگ بھگ ہے۔ اس زبان کے چند دستیاب تحریری نمونے زمانہ قبل از تاریخ سے تعلق رکھتے ہیں۔ ان مخطوطات کے بارے میں ماہرین کا خیال ہے کہ ان کی عمر پانچ ہزار سال سے زائد ہی ہے۔ مزید یہ کہ نو آبادیاتی مہم جوئی سے محفوظ رہنے کے باعث اس تہذیب اور ادب میں منفرد نوعیت کا تسلسل اور ربط موجود ہے، جو اسے دنیا کی دیگر زبانوں کے ادب سے منفرد بناتا ہے۔ تاہم اس قدر اہم ورثے کے باوجود اربابِ علم و دانش اس زبان کو مخطوطہ شناسی کی روایت میں مذکور کرنے میں پس و پیش سے کام لیتے ہوئے دکھائی دیتے ہیں۔ اس اہم نقطے پر ڈاکٹر عابد حسین سیال کا نقطۂ نظر کچھ یوں ہے:

> "ہمارے ہاں عام طور پر جب "مشرقی ادب" یا السنہ شرقیہ کہا جاتا ہے تو اس میں نہایت مستحکم ادبی روایت رکھنے کے باوجود چین اور جاپان کے ادب کو شامل نہیں کیا جاتا۔ میرے

خیال میں اس کی ایک وجہ جو بنیادی ہے، ہماری زبان اردو کی تشکیل پر ان زبانوں کے اثرات کا نہ ہونا ہے۔۔۔چین کے تہذیبی مظاہر اور بالخصوص ادب دیگر دنیا کے لیے بالعموم اور برصغیر کی ادبی روایت کے لیے بالخصوص ہمسائیگی کے باوجود بہت حد تک اجنبی رہے۔"(13)

تاہم اردو زبان میں مرقوم مخطوطات پر عالمانہ تدوین کی داغ بیل حافظ محمود شیرانی اور مولانا امتیاز علی عرشی جیسے اہلِ علم بزرگوں نے ڈالی۔ اس عظیم روایت کو آگے بڑھانے والوں میں قاضی عبدالودود، مشفق خواجہ، رشید حسن خان، ڈاکٹر معین الدین قادری زور اور ڈاکٹر جمیل جالبی جیسے بڑے اور قابلِ قدر نام شامل ہیں۔ شخصیات کے علاوہ اردو ادب کی خدمت پر معمور اداروں نے بھی اس روایت کو آگے بڑھانے میں اپنا اہم کردار ادا کیا۔ الغرض اردو مخطوطہ شناسی کی زیریں روایت درحقیقت اس زبان کی تہذیبی، تحقیقی اور تنقیدی روایت کی امین ہے۔

معاصر علمی منظر نامے میں مخطوطہ شناسی کی اہمیت کسی طور بھی کم نہیں ہوئی بلکہ دن بدن اس کی ضرورت و افادیت میں خاطر خواہ اضافہ ہو رہا ہے۔ اس روایت کو آگے بڑھانے میں جدید ذرائع کی دستیابی کے باعث بے حد آسانیاں میسر آگئیں ہیں۔ ماضی میں کسی بھی مخطوطے کی جانچ کے لیے اسے زبان سے چکھ کر قدامت کا اندازہ لگایا جاتا تھا۔ کاغذ کی رنگت اور شکستگی اس کے اصل یا نقلی ہونے کی ایک دلیل تصور کی جاتی تھی۔ روشنائی اور رسم الخط کی مدد سے مخطوطے کی قدامت کا تعین کیا جاتا تھا۔ اب یہ کام جدید سافٹ ویئرز کی بدولت بذریعہ ریڈیوگرافک ٹیسٹ، پورے تیقن اور اعتماد کے ساتھ سرانجام دیا جاتا ہے۔ مصنوعی ذہانت (Artifical Intelligence) جہاں پورے علمی و ادبی منظر نامے کو اپنے غیر معمولی اثرات سے متاثر کر رہی ہے، وہیں مخطوطہ شناسی کے میدان میں بھی انقلاب آفریں جہات کی دریافت کی توقع کی جارہی ہے۔ گویا فی زمانہ مخطوطات کو آنے والی نسلوں تک بحفاظت پہنچانے کا فریضہ بطریقِ احسن سرانجام دیا جاسکتا ہے۔ حیران کن اور ہوش ربا جدت سے مزین امور نے یوں تو مخطوطات کی حفاظت کا مسئلہ ہمیشہ کے لیے حل تو کر دیا ہے مگر ساتھ ہی ساتھ کئی ایک مسائل نے بھی سر اٹھا لیا ہے۔ تمام تر آسانیوں اور آسائشوں کے باوجود مخطوطہ شناسی کی روایت معاصر تحقیقی منظر نامے میں سنگین مسائل سے دوچار ہے۔ بنیادی بات یہ ہے علم (Knowledge) کے بجائے محض معلومات (Information) کو ہی فوقیت دینے کے اس ماحول میں نوجوان محققین سرعت رفتاری کو پیشِ نظر رکھے ہوئے ہیں جب کہ ماضی کے مخطوطات تک پہنچنے، سمجھنے اور اپنانے کا عمل انتہائی احتیاط اور دقتِ نظری کا متقاضی ہے۔ ماضی سے کٹنے اور اَن دیکھے مستقبل میں اپنی جگہ بنانے کی دوڑ میں معیار کے بجائے مقدار کا پہلو مقدم ہے۔ مسابقت اور معاشی گرانی کا ماحول پہلے ہی اہلِ علم کی ناک میں دم

کیے ہوئے ہے۔ تن آسانی اور مشقت سے گریز کے باعث پتہ ماری کرنے والے قدیم علماء کی تقلید کی توقع خام خیالی سے زیادہ کچھ نہیں۔ ایسے میں اخلاص کے حامل اہلِ علم و دانش دن میں بھی چراغ لے کر ڈھونڈنے سے نہیں ملتے۔

انفرادی طور پر مخطوطہ شناسی کی روایت کو زندہ رکھنے والے افراد، ہمارے ہاں، آٹے میں نمک کے برابر بھی نہیں۔ معاصر زمانے میں یوں بھی مخطوطہ شناسی اب شخصی کام نہیں رہا بلکہ اجتماعی یا جماعتی درجے کی کاوش کا تقاضا کرتا ہے۔ سندی تحقیق کے حصول میں مگن محققین، بوجوہ غیر معینہ مدت تک مشغولیت کے سبب، اس سرگرمی کو ایک مقدس پتھر سمجھ کر دور ہی سے چوم کر گزرنا دانش مندی تصور کرتے ہیں۔ جامعات میں بھی ایسے موضوعات پر بی ایس، ایم فل اور ڈاکٹریٹ کی سطح پر تحقیقی کام کروانے کا رجحان مفقود ہے۔ ستم بالائے ستم ادبی تحقیق کی سرپرستی پر معمور ادارے بھی اس رویے کی اصلاح پر سرگرم دکھائی نہیں دیتے۔ ماضی کی درخشاں روایت سے کٹ کر غیر یقینی سنہرے مستقبل کی تمنا کرنا محض ایک طفل تسلی کے سوا کچھ نہیں۔ مایوسی کے اس ماحول میں اصلاحِ احوال کی اشد ضرورت ہے۔ اس ضمن میں فوری طور پر جو اقدام اٹھانے ضروری ہیں ان میں جامعات میں مخطوطہ شناسی کی اہمیت اور اس سے متعلقہ تحقیقی موضوعات پر کانفرنسوں کا انعقاد وقت کی اہم ضرورت ہے۔ مخطوطہ شناسی کے شعبہ میں عالمی سطح پر تسلیم شدہ ماہرین سے رابطے کی سبیل پیدا کی جانی چاہیے اور ایسے ماہرین کے باہمی رابطے کے لیے متعلقہ اداروں کی سرپرستی و نگرانی کو یقینی بنایا جائے۔ حکومتی سرپرستی میں مخطوطات پر کی جانے والی تحقیق کو شائع کرنے اور اسے متعلقہ افراد تک پہنچانے کا بندوبست کیا جائے۔ اسکالرز سے معیاری مقالہ جات لکھوانے پر خصوصی توجہ دی جائے اور ایسے اسکالرز کی مالی معاونت کا بھی خاص طور پر نظام وضع کرنے کی ضرورت ہے۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ ماضی کے نوادرات کی قدر و قیمت کا احساس کرتے ہوئے، اِن کی جانب ہونے والی سنجیدہ تحقیقی کوششوں کی حوصلہ افزائی کی جائے تاکہ علمی میراث کو نئی نسل تک پہنچانے میں کوئی کسر باقی نہ رہے۔

حواشی و حوالہ جات

1۔ udb.go.pk/ 12-02-2019 12:30 PM

2۔ عبدالحمید خان عباسی، اصولِ تحقیق، اسلام آباد: نیشنل بک فاؤنڈیشن، 2015ء ص 191

3۔ شفیق انجم، قواعد تحقیق و تدوین، اسلام آباد: پورب اکیڈمی، 2015ء، ص99

4۔ عطش درانی، لسانی و ادبی تحقیق و تدوین کے اصول، اسلام آباد: نیشنل بک فاونڈیشن، 2016ء، ص80

5۔ گیان چند جین، تحقیق کا فن، اسلام آباد: مقتدرہ قومی زبان، ص387

6- Michael Johnston, Michael Van Dussen, The medieval manuscript book: Cultural approaches, Cambridge University Press, UK, 2015

7- Raymond Clemens & Timothy Graham, Introduction to Manuscript Studies, Cornell University Press, New York, 2007 Page 67

8۔ خلیق انجم، متنی تنقید، کراچی: انجمن ترقیِ اردو، پاکستان، ص235

9۔ عطش درانی، لسانی وادبی تحقیق وتدوین کے اصول، ص185

10۔ ایم سلطانہ بخش، ادبی تحقیق، تحقیقات کی رفتار اور جائزہ، مشمولہ: اردو میں اصولِ تحقیق (منتخب مقالات)، مرتبہ لاہور: اردو اکیڈمی، 2012ء، ص80

11۔ عبدالرزاق قریشی، مبادیاتِ تحقیق،لاہور: خان بک کمپنی،1968ء، ص80

12۔ عطش درانی، لسانی وادبی تحقیق وتدوین کے اصول، ص192

13- عابد حسین سیال، چینی ادب کے اردو تراجم، تہذیبی مکالمے کی ایک صورت، مطبوعہ: امتزاج، کراچی، 2022ء

References in Roman Script:

1. Udb.go.pk/ 12-02-2019 12:30PM
2. Abdul Hameed Khan Abbasi, Usool-iTahqeeq, Islamabad: National Book Foundation, 2015, P191
3. ShafeeqAnjum, Qawaaid-iTahqeeq-o Taqween, Islamabad: Poorab Academy, 2015, P99
4. AttashDurrani, Lisani-o AdabiTahqeeq-o Tadween k Usool, Islamabad: National Book Foundation, 2016, P80
5. Gyan Chand Jain, Taqeeqka Fan, Islamabad: MuqtadraQaumiZaban, P387
6. Mishael Johnston & Micheal Van Dussen, The medieval manuscript book: Cultural approaches, UK, Cambridge University Press, 2015. P18
7. Raymond Clemens & Timothy Graham, Introduction to Manuscript Studies, New York, Cornell University Press, 2007 Page 67
8. Khaleeq Anjum, Matni Tanqeed, Karachi: Anjuman Taraqi-e-Urdu Pakistan, P235
9. AttashDurrani, Lisani-o AdabiTahqeeq-o Tadween k Usool, P185.
10. M. Sultana Bakhsh, AdabiTahqeeq, TahqeeqatkiRaftaraurJaaiza, and Mashmoola: Urdu meinUsool-iTahqeeq (MuntakhabMaqalaat), Murattiba Lahore: Urdu Academy, 2012, P80
11. Abdul Razzaq Qureshi, Mubadiyat-e-Tahqeeq, Lahore: Khan Book Company, 1968, P80
12. Attash Durrani, Lisani-o AdabiTahqeeq-o Tadween k Usool, P192.
13. Abid Hussain Sial, Cheeni Adab k Urdu Tarajim, Tehzeebi Mukalmy ki aik Surat (Research Article) Matbu'a: Imtizaaj, Karachi, 2022